ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بطور افسانہ نگار

ڈاکٹر سکندر حیات میکن☆

Dr. Rafi-ud-Din Hashmi as A short story-writer

Dr. Sakandar Hayyat Makan

Abstract:

Rafi-ud-Din Hashmi holds zenith of excellence and veneration among the literary and scholarly figures of sub-continent. He treads in various dimensions in literary perspective. This essay introduces one of his newly established aspect (Story-Writing), hither to unfamiliar in literary genres. This essay exclusively encompasses a comprehensive analysis of his short stories and the trends he set forths for the genre. The reader would find a preview of all his Twentyone Short stories, through these short stories are not available in book form. His first short story was published in 1960. Bringing all his Short Stories under disscussion, the essay, for the first time, discovers a significant literary dimension that is substantially tagged with Rafi-ud-Din Hashmi.

Key words:
Dr.Rafi-u-Din, Story-Writer, Literary, Dimensions, Short story

کلیدی الفاظ:

ماہرِ اقبالیات، محقق، نقاد، معلم، افسانہ نگار، اختصار، وحدت

برصغیر پاک و ہند میں تحقیق وادب اور علم آگہی کی روشنی پھیلانے والے پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ایک ہشت پہلو شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کا سب سے معتبر حوالہ ماہر اقبالیات ہے۔ وہ بیک وقت محقق، مدون، نقاد، مدیر، سفر نامہ نگار، معلم، کالم نگار، ماہر تعلیماور مفکر بھی ہیں۔ ان کی علمی وادبی شخصیت کا ایک اہم ادبی پہلو جو آج تک قارئین کی نظروں سے اوجھل رہا ہے، وہ ان کی افسانہ نگاری ہے۔ ''ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بطور افسانہ نگار'' کے عنوان سے یہ پہلو ہمیشہ تشنہ ہی رہا۔ اس کی بنیادی وجہ

☆ لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج شاہ پور صدر، سرگودھا

کہ رفیع الدین ہاشمی کے افسانے کتابی صورت میں شائع ہی نہیں ہوئے۔ ان کے افسانے مختلف علمی و ادبی رسائل میں شائع ہوئے مگر حیرت کی بات ہے کہ ان کی شخصیت کا یہ اہم پہلو ہمیشہ ناقدین اور محققین کی توجہ نہ بن سکا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا پہلا افسانہ "پلندے" ۱۹۶۰ء میں ہفت روزہ "شہاب" لاہور میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی افسانہ نگاری کا زمانی عرصہ ۱۹۶۰ء سے نومبر ۱۹۶۸ء تک ہے۔ گویا انھوں نے نوجوانی کے زمانے ہی میں افسانہ نگاری کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر نے ان کے افسانوں کی حسبِ ذیل فہرست پیش کی ہے:

۱۔ آخری سہارا: شہاب، لاہور، ۸ جنوری ۱۹۶۱ء، ص ۲۰
۲۔ روشنی کی لکیر: شہاب، لاہور ۱۲ جنوری ۱۹۶۱ء، ص ۱۸
۳۔ تصویریں: تعمیر انسانیت، لاہور مئی ۱۹۶۱ء، ص ۱۷
۴۔ واپسی: شہاب، لاہور، ۲۰ اگست ۱۹۶۱، ص ۱۶
۵۔ جواب: تعمیر انسانیت، لاہور، اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۲۹
۶۔ آن دی سپاٹ: سیارہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۲ء، ص ۹۰
۷۔ سطحِ آب: سیارہ، لاہور، جون ۱۹۶۴ء ص ۵۸
۸۔ ورقِ ناخواندہ: سیارہ، لاہور، جنوری ۱۹۶۵ء، ص ۱۰۲
۹۔ دیوار: محور، مجلہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰۲
۱۰۔ یہ ڈبے: قندیل، لاہور، ۲۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء، ص ۸
۱۱۔ مجرم: قندیل، لاہور، مئی ۱۹۶۷ء، ص ۸
۱۲۔ نانی: سیارہ، لاہور، مارچ ۱۹۶۸ء، ص ۶۱
۱۳۔ ہدف: سیارہ، لاہور، جولائی ۱۹۶۸ء، ص ۶۹
۱۴۔ خیال آتا ہے: آئین، لاہور، ۹ ستمبر ۱۹۶۸ء، ص ۱۲
۱۵۔ دل کا بوجھ: آئین، لاہور، ۲۳ ستمبر ۱۹۶۸ء، ص ۱۲
۱۶۔ ہوا کے تنکے: قندیل، لاہور، ۶ نومبر ۱۹۶۸ء، ص ۷
۱۷۔ فاصلے: آئین، لاہور، ۸ نومبر ۱۹۶۸ء ص ۱۰ (۱)

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کی پیش کردہ فہرست کے علاوہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا ایک اور افسانہ ''دل کی بات'' بھی ہے۔ جو ۱۵۔ اپریل ۱۹۶۲ء میں ہفت روزہ ''شہاب''، لاہور سے شائع ہوا تھا۔ اسی طرح ان کی فہرست میں ''پلندے'' بھی شامل نہیں ہے۔ ان کا ایک اورافسانہ (ان کے قلمی نام ''زبیر احمد'' سے ''سیپ'' کراچی کے افسانہ نمبر ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا تھا۔ گویا ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے افسانوں کی کل تعداد ۲۱ ہے۔ یہ افسانے ہنوز کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئے ہیں۔ انھوں نے ایک افسانہ (بیری) پنجابی زبان میں بھی لکھا تھا، جو ماہ نامہ ''پنج دریا'' لاہور میں شایع ہوا۔

ڈاکٹر ہاشمی نے اپنی افسانہ نگاری کی ابتدا میں دیہی زندگی کی پیش کش کو موضوع بنایا ہے۔ اُردو افسانے میں دیہی زندگی کی عکاسی کی اوّلین صورتیں پریم چند کے ہاں نظر آتی ہیں جس کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ''دیہات ایک ایساموضوع ہے جس کے افسانوی پہلو ان گنت اور جس کے تخلیقی زاویے بے شمار ہیں لیکن حقیقت یہ بھی ہے کہ یہ تمام زاویے ابھی تک شرمندہ ئ اظہار نہیں ہوئے۔ اُردو افسانے کے اوّلین دور میں دیہات کو خاصی اہمیت ملی تھی۔ اُردو کے پہلے افسانہ منشی پریم چند نے اپنے فن کا اوّلین روشن نقش دیہاتی افسانے کی اس اساس پر ہی مرتب کیا۔ پریم چند کی خوبی یہ ہے کہ اس نے دیہات سے اپنا ناطہ کبھی نہ توڑا اوراس کے آخری دور کے افسانوں میں بھی دیہات ایک زندہ حقیقت بن کر نمو پاتا ہے۔''(۲)

''پلندے'' سے اپنی افسانہ نگاری کی شروعات کرنے والے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اپنے اس افسانے میں گاؤں کے ایک کسان کرم دین کی جذباتی کیفیت کی انتہا کو دکھایا ہے تو دوسری طرف معاشرے کے نوجوانوں کے کرب ناک منظر کو اُجاگر کیا ہے۔ کرم دین کا بیٹا اصغر علی جب پڑھ لکھ جاتا ہے تو اپنے والدین سے تعلق ترک کر کے شہر میں بڑا آدمی بن بیٹھتا ہے جبکہ گاؤں کے لوگ کرم دین کو مبارکیں دیتے ہیں جو اسے لعنت و ملامت کے بھاری پلندے محسوس ہوتے ہیں۔ اصغر علی کے والدین آس اوراُمید کے چراغ روشن کیے بیٹھے تھے مگر اصغر علی ولایت میں جا کر ولایتی مزاج کا غلاف اوڑھ کر واپس آیااور شہر میں ہی بس گیا۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"آخری خط میں اس نے لکھا بھی تھا کہ فرصت ذرا کم ملتی ہے اور امتحان بھی نزدیک ہے۔ اصغر علی کی والدہ جواب دیتی۔ کرم دین خاموش ہو جاتا ہے اور ان کی خود تراشیدہ، خوش فہمیاں اصغر علی کی بے اعتنائی کو اس طرح ڈھانپ لیتی جس طرح کسی لاش کو بیش قیمت پھولوں سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ ماہ و سال وقت کو نگلتے رہے۔ ولایت میں اصغر علی کی مصروفیات بڑھتی گئیں۔ اس کے والدین کی خوش فہمیوں کا پردہ بوسیدہ ہوتا رہا۔ ایک دن گاؤں میں یہ خبر پہنچی کہ اصغر علی شہر کے سب سے بڑے کارخانے میں ایک بڑا افسر ہو گیا ہے۔"(۳)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا پہلا افسانہ "پلندے" افسانے کے فنی رموز کا پوری طرح احاطہ کرتا ہے۔ رفیع الدین ہاشمی کے افسانوں میں متوسط طبقے کی زندگی کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں۔ انھوں نے عام آدمی کی زندگی کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ "دل کی بات" ایک غریب پان والے کی دکان کے گرد گھومتی کہانی ہے، جس میں اس کے حالات دفن ہیں۔ جبکہ پوش اور غریب علاقوں کے الگ الگ قوانین کی نشاندہی بھی ہمارے سماج کی عکاسی کرتی نظر آتی ہے۔ دوستی ان کے افسانوں کا اہم عنصر ہے۔ افسانہ "آخری سہارا" میں ایک طالب علم حمید کی باطنی کشمکش کو دکھایا گیا ہے کہ کس طرح اچھی اور بری صحبت انسان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ دوسری طرف اس افسانے سے یہ نکتہ بھی واضح کیا کہ اولاد آدم گناہ کے بعد گناہ کرتی چلی جاتی ہے اور جب گرداب میں پھنستی ہے تو پھر نادم ہوتی ہے۔ اسی طرح افسانہ "مجرم" میں ایک نفسیات دان کی طرح ایک کالج کے طالب علم کی زندگی اور امتحانی اُتار چڑھاؤ کا احوال سامنے لاتا ہے۔ اطہر اس افسانے کا ہیرو ہے جو پڑھنے کی بجائے رومان کا شکار ہو کر اپنا مستقبل تاریک کر بیٹھتا ہے۔ اطہر کے والدین کی آس کچی ڈور کی طرح ٹوٹ جاتی ہے۔ افسانہ "یہ ڈبے" میں بھی کالج کے طالب علموں کی باطنی اور ذہنی کیفیت کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ افسانے رفیع الدین ہاشمی نے زمانہ طالب علمی میں تحریر کیے اس لیے ایک طالب علم کے جذبات کی عکاسی بڑے خوبصورت انداز میں ملتی ہے۔ افسانہ "یہ ڈبے" کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"، "نونہال" امتحان میں فیل تو ہوئے مگر کچھ غمی بھی واقع نہ ہوئے تھے، اتنا انہیں ضرور معلوم تھا کہ جو "بوؤ گے وہی کاٹو گے" چنانچہ جس روز نتائج سامنے آئے ذرا سی دیر کو ان کے منہ لٹک گئے لیکن فکر کی کیا بات تھی۔ یہ کوئی سالانہ امتحان تو نہیں تھا۔ سالانہ امتحان

میں تو کئی ماہ باقی تھے، بس اب ذرا اسٹڈی کریں گے تو سب مضامین کلیئر (Clear) کر لیں گے اور پھر وہی لیل و نہار، وہی سر گرمیاں اور وہی مصروفیات وہی شب و روز اور ـــــ ہم ہیں دوستو۔"(۴)

خلوص اور بے لوث دوستی ان کے افسانوی کرداروں کی صفت ہے۔ کچھ کردار دوستی نبھاتے ہوئے تو کچھ کردار اچھے دوستوں کے گن گاتے دکھائی دیتے ہیں۔ "دل کا بوجھ" ایک دوست کی دوسرے دوست کے ساتھ وابستہ توقعات کا ٹوٹنا اور لہجوں کی تبدیلی کا منظر دکھاتا ہے تو دوسری جانب افسانہ "ہدف" میں گہرائی کے ساتھ سوچ کے زاویوں پر دستک دینے کی سعی ملتی ہے۔

معرکۂ ۶ ستمبر کی مناسبت سے "خیال آتا ہے" کا بوڑھا قادر بخش ایک شہید باپ کے جذبات اور تاثرات کو پیش کرتا ہے۔ افسانہ نگار نے اس افسانے میں خفیف انداز سے قاری کو تفکرات کی وادی میں جھانکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس افسانے کی چند سطور دیکھیے:

"ہر سال ۶ ستمبر کو جذبات کا عجیب عالم ہوتا ہے۔ پچھلے سال ذہن میں عجیب عجیب خیال آتے رہے اور اب کے ایسے خیالات ذرا شدید ہیں۔ اگر یہی حالت رہی تو اگلے سال شاید کچھ اور شدت پکڑ جائیں اور اب تو گاؤں کے دوسرے لوگ بھی کبھی کبھی ایسی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ آج بھی وعظ ختم ہوا، تو ماسٹر حنیف نے بات چھیڑ دی۔ کہنے لگا: کشمیریوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ روزانہ اخبار میں خبریں آتی ہیں۔ معلوم نہیں ان بے چاروں کا کیا حال ہو گا؟" "ہاں، بھائیو" بوڑھا قادر بخش کہتا ہے: "اللہ ہی ظالموں سے بچانے والا ہے۔ ان بے چاروں نے بڑا ظلم سہا ہے اور ہمارے شہیدوں نے بھی تو اسی لیے جانیں دی تھیں کہ اس ظلم کا خاتمہ ہو۔"(۵)

رفیع الدین ہاشمی اپنے افسانوں کی ابتدا عمومی انداز سے کرتے ہیں اور خیالات کے تسلسل میں بہتے ہوئے بات میں ایک طوالت سی پیدا ہونے لگتی ہے۔ ان کے افسانوں میں اکثر بچھڑے دوست ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یعنی سکول یا کالج کے بچھڑے دوست پانچ دس سال بعد ملتے ہیں تو ان کی خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ ان افسانوں میں ڈاکٹر ہاشمی کا مشاہدہ جھلکتا ہے بلکہ ان افسانوں میں انھوں نے وہی اصول برتا ہے جس کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے کہا تھا:

"افسانے میں زندگی کا مشاہدہ اور مطالعہ ہونا چاہیے۔ دعویٰ کرو کہ زندگی وہی ہے جو تم دیکھ رہے ہو اور مشاہدہ وہی درست ہے جو تمھارا ہو۔"(۶)

اسی طرح ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے افسانوں میں ماضی کے گزرے لمحے ہر کردار کے لیے سونے چاندی جیسے لمحوں کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ ''ہوا اور تنکے'' میں نثار کی زندگی طوفان میں اُڑتے ہوئے تنکوں کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ کبھی کہیں تو کبھی کہیں مگر یادوں کی مالا دوستوں کو ملا کر ایک حسین خواب بن جاتی ہے۔ گیارہ سال بعد جب دو دوست ملتے ہیں تو افسانہ نگار جذباتیت میں جو سطریں تحریر کرتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

> ''اب ان گیارہ برسوں میں نیند سے بیداری کے بعد شب و روز کی ہنستی مسکراتی اور روتی منہ بسورتی وسعتوں میں جب زمانے کے نشیب و فراز سے گزرنا پڑا جیسے کسی صحرانورد کو نخلستان سے نکل کر نہ ختم ہونے والے ریگزاروں میں جھلسا دینے والی بادِ سموم کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو گیارہ سال پہلے کے ماہ و سال، نوجوانی کا زمانہ اور کالج کا ماحول ایک خواب معلوم ہوا۔ کسی اور ہی رومانی دنیا کا خواب اور نثار سے ملاقات کے بعد تو اس کے خواب ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا تھا۔''(۷)

''فاصلے'' ہلکے پھلکے اور معصومیت کے انداز میں لکھا گیا افسانہ ہے جس میں پُر خلوص دوستی کا دم بھرنے والے دوستوں کی روداد ہے جس میں انا کی دیواروں کی بدولت دوستی جیسے مقدس رشتے میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور آخر کار زمانے کے حوادث ہی انا کے خول کو توڑنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس افسانے میں افسانہ نگار کا اسلوب بھی بہت عمدہ ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''چار سال کے عرصے میں ضمیر نے اتنے کچوکے لگائے ہیں کہ روحِ بسمل کی طرح تڑپتی رہی۔ پندار کا وہ حصار جو میں نے اپنے اور دوست کے درمیان تعمیر کر لیا تھا اور جو ہماری جدائی کا سبب بنا، یوں نیست و نابود ہو چکا ہے، جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا۔ وہ مصنوعی جذبہ جسے میں نے اپنی انا کا نام دے رکھا تھا، اب ریت کے گھروندے کی طرح ڈھے کر یوں بکھر گیا ہے جیسے خشک ریت کو ہوا کے جھونکے نہایت آسانی کے ساتھ ادھر اُدھر بکھیر دیتے ہیں۔''(۸)

''روشنی کی لکیر'' اور ''نانی'' دو انفرادی نوعیت کے افسانے ہیں جن میں افسانہ نگار نے نرس کی زندگی کے دو مختلف روپ بیان کیے ہیں۔ ''روشنی کی لکیر'' میں نرس کے جذباتی کردار کو دکھایا گیا ہے تو دوسری طرف مریضوں کے طرزِ عمل کا خوبصورت عکس حقیقی روپ میں پیش کیا ہے۔ دُکھی انسانیت کی

خدمت کرنے والی نرس کی زندگی ایک روشن لکیر کی مانند ہوتی ہے۔''نانی'' ایسا افسانہ ہے اگر اس کو ''روشنی کی لکیر'' کی ضد کہا جائے تو بے جانہ ہو گا۔''روشنی لکیر'' میں نرس کا کردار ایک روشن روپ میں سامنے آتا ہے جبکہ ''نانی'' میں نرس کا کردار مریضوں کے لیے ذہنی پراگندگی کا سبب بنتا ہے اور نرس کا رویہ بھی مریضوں کے لیے ذہنی تکلیف کا سبب ٹھہرتا ہے۔ سرکاری ہسپتالوں کی حقیقی نمائندگی کا عکس بھی اچھی طرح نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس افسانے کا اختتام بڑا معنی خیز ہے۔ ایک جملے میں افسانہ نگار نے سارا تھیم سمیٹ دیا ہے۔ اس کا آخری جملہ یوں ہے:

> ''دراصل نانی جب نرس بن جاتی ہے تو پھر نہ اس میں شفقت رہ جاتی ہے اور نہ تقدس واحترام۔۔۔۔''(۹)

''واپسی''، ''ورق ناخواندہ'' اور ''تصویریں'' ان تینوں افسانوں کے کرداروں میں تلخی نہیں ہے بلکہ وہ جنوری کی سرد شاموں کی طرح سرد مہر ہیں۔ ان کے افسانوں کے کردار فرض شناسی کی منتہا پر کھڑے نظر آتے ہیں کبھی انور کی صورت میں تو کبھی نثار کے روپ میں۔''ورق ناخواندہ'' کا نوجوان قاری کی اُمنگوں کا ترجمان بن جاتا ہے اور قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ افسانہ "واپسی" کا مرکزی کردار انور ایک مثبت روپ میں سامنے آتا ہے۔ جو اپنے رومان کو اپنے فرض کی رکاوٹ نہیں بننے دیتا۔

گاؤں، شہر اور پہاڑی علاقوں میں ان کے کردار لذت محسوس کرتے ایک شریف ناظر کی طرح گردوپیش نظاروں سے حظ اُٹھا کر زندگی کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ رفیع الدین ہاشمی کے افسانوں میں زندگی جیتی جاگتی محسوس ہوتی ہے مگر اس میں تیزی نہیں آتی۔ ایک گاؤں کی سی خالصیت واضح طور دکھائی دیتی ہے۔ افسانہ ''تصویریں'' کا محمد علی صابرانہ اور شاکرانہ زندگی کا ایک نقش پیش کرتا ہے۔ اس افسانے کا اختتام قاری کو چونکنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ جب محمد علی کو زمین واپس مل جاتی ہے تو تب بھی وہ ایک دکاندار ہی رہتا ہے، سیٹھ نہیں بن پاتا کیونکہ وہ اپنی زمین عطیہ کر دیتا ہے۔ افسانے کا اختتام دیکھیے:

> ''چند دنوں کے بعد ادارہ خدمت خلق کی طرف سے اس کی سالانہ رپورٹ شائع ہوئی جس میں ادارے کے معاونین کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ خصوصاً اس ذی استطاعت اور مخیر شخص کا کہ جس کے گرانقدر عطیے کی بدولت ادارے کی گرتی ہوئی مالی حالت سنبھل گئی تھی۔ رپورٹ میں اس مخیر شخص کا نام خود اس کی ہدایت کے مطابق ظاہر نہیں کیا گیا تھا

اور اب لوگوں کو محمد علی کے مستقبل کے متعلق بنائی تصویروں پر پھر سے نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔"(۱۰)

"آن دی سپاٹ" رفیع الدین ہاشمی کا ایک شاہکار افسانہ ہے جو ایک ماں کے دل سے نکلی ہوئی کرب ناک آہیں ہیں۔ جن کی سطر سطر سے ایک ماں کی دُہائی قاری کو نہ صرف سنائی دیتی ہے بلکہ محسوس بھی ہوتی ہے۔ یہ افسانہ ایک گاؤں کی بوڑھی ماں کی فریاد ہے جو اپنے باغی بیٹے ڈاکٹر نواز خان کے باغیانہ فیصلے کے خلاف کر رہی ہے۔ یہ افسانہ تفکر کے در وا کرتا ہے۔ ایک اقتباس دیکھیے:

"گاؤں کے اکثر لوگ روایات کے اس باغی کو بھول چکے تھے لیکن ماں اس کی یاد کو اب بھی سینے سے لگائے تھی۔۔۔ کیسے بھول جاتی۔۔۔ اس کی زبان ہکلانے لگی تھی۔ اس کا ہر سانس اب بھی اپنے بچے کا منتظر تھا، اس کا ہر لمحہ جو اپنے لال کی خوشی میں صرف ہوا کرتا تھا۔ اب ایک نہ گزرنے والا جامد لمحہ تھا جو اس کے زخمی دل پر بڑے گھاؤ لگا رہا تھا۔ اس کی وہ آنکھیں جو اپنے پیارے بیٹے کو دیکھ کر نہال ہو جایا کرتی تھیں، اب دھند لا گئی تھیں۔ اب بس وہ چند دن کی مہمان تھیں۔"(۱۱)

"آن دی سپاٹ" میں افسانہ نگار نے یہ بتانے کی بھی سعی کی ہے کہ ماں، باپ کے باغی ہمیشہ منطقی انجام تک پہنچتے ہیں۔ ڈاکٹر نواز نے ماں باپ کو چھوڑ کر دوسری شادی کا جو انقلابی فیصلہ کیا، وہ اس کی زندگی کو برباد کر گیا۔ فکر و شعور میں گندھے ہوئے چند جملوں میں افسانہ نگار کی بلند فکری سطح بھی اُجاگر ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہر انسان کے حصے میں زندگی کا کچھ نہ کچھ زہر ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زندگی نے وہ زہر اب تک بچا کر رکھا ہوا تھا اور اب وہ یک دم اس کے جامِ حیات میں انڈیل دیا گیا تھا اور اُسے یہ جام پینا پڑا۔۔۔ مصیبت جب سر پر آجائے تو سہنا ہی پڑتی ہے۔"(۱۲)

رفیع الدین ہاشمی افسانہ نگاری کے فنی رموز سے آگاہ ہیں۔ بالخصوص افسانے میں مربوط واقعات کی اختصار کے ساتھ پیش کش ہے۔ اختصار پسندی کا فن افسانے کی اساس ہوتا ہے اور واقعات کی بندش افسانے کے فن کو عروج عطا کرتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سہیل بخاری کا کہنا ہے:

"افسانے کی پہلی شرط اس کا اختصار ہے۔ زندگی میں ہر آن اور ساعت کوئی نہ کوئی واقعہ رونما ہوتا رہتا ہے۔ لیکن افسانے میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ وہ سب کے سب واقعات بیان کیے جائیں۔ اس میں زندگی کے کسی ایک ہی موقع یا واقع کی تصویر پیش کی جاتی

ہے جو اپنی جگہ ہر طرح مکمل اوراثر آفرینی میں بھرپور ہوتی ہے۔ افسانے میں اختصار جتنا زیادہ ہوتا ہے، دل کشی اور تاثر کے ساتھ ساتھ اس کی جامعیت بھی اتنی بڑھ جاتی ہے۔ واقعات میں حسین تسلسل اور بندش واقعات میں چستی اور برجستگی سب کچھ اس کا فیضان ہے۔"(۱۳)

ذہنی جھنجھلاہٹ کا شکار افسانہ "سطحِ آب" کا مرکزی کردار مولبی بشیر جو لفظ مولوی سے چڑھ کر خود کو اذیت میں مبتلا کرلیتا ہے۔ اس افسانے میں مولوی بشیر ایک نفسیاتی کشمکش میں مبتلا کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ "سطحِ آب" میں افسانہ نگار نے ایک اچھوتے موضوع کو استعمال میں لایا ہے۔ افسانہ "کندن" بھی تہذیبی رکھ رکھاؤ اور شرافت کے اطوار کے سامنے جذبات کو شکست دیتا نظر آتا ہے۔

رفیع الدین ہاشمی نے اپنے ایک افسانے "دیوار" میں یہ بتایا ہے کہ روایت سے جڑی ایک خاندانی لڑکی فریدہ کی جذباتی کیفیت اور اس کے باطن میں پھوٹتے محبت کے شرارے کس طرح خاندانی روایت میں دفن ہو جاتے ہیں۔ اس افسانے کے ذریعے انھوں نے واضح کیا ہے کہ ایک باعصمت لڑکی کی باطنی محبت کس طرح سماج اور روایت کے دبیز پردوں میں دب جاتی ہے اور وہ چند استفہامیے اپنے ذہن کے نہاں خانوں میں لیے اپنے باپ کی ناک کو اونچا کرنے کے لیے اپنے من میں اُٹھتے جذبوں کو پاؤں تلے کچل دیتی ہے۔ فریدہ اس افسانے میں مشرقی باحیا خاتون کی نمائندگی کرتی نظر آتی ہے، مثلاً:

"وسوسے اور اندیشے ہر طرف سے اس پر یلغار کرنے کے لیے ہجوم کیے چلے آرہے تھے۔ وہ ابا کے الفاظ پر غور کر رہی تھی۔۔۔۔"تمھاری رضامندی لینا ضروری سمجھا۔" گویا وہ اپنے طور پر تو راشد کے حق میں فیصلہ کر ہی چکے ہیں۔ صرف میری رضامندی چاہتے ہیں تو پھر آخر آزادانہ فیصلے کا اختیار کیوں؟ یہ انھوں نے یوں ہی دل رکھنے کے لیے کہہ دیا ہو گا۔ اس نے بڑے دکھ کے ساتھ سوچا: "کاش ابا کو میری ذہنی کیفیت کا علم ہوتا۔۔۔" سونے سے پہلے اس نے سعید کے نام لکھے ہوئے خط کو بڑے کرب انگیز احساس کے ساتھ پھاڑ دیا۔"(۱۴)

جذباتی کیفیات اور محبت کی لطافت میں ڈوب کر روایت کی پاسداری نبھانے والی فریدہ اس افسانے کا ایک عمدہ کردار بن کر سامنے آئی ہے۔ افسانے میں کیفیات کو اچھوتے انداز سے بیان کرنا اور سادگی اور توازن کو برقرار رکھنا ہی افسانے کا فکری و فنی عروج ہوتا ہے۔ بقول سیّد وقار عظیم:

''افسانہ کہانی میں پہلی مرتبہ وحدت کی اہمیت کا مظہر بنا۔ کسی ایک واقعہ، ایک جذبہ، ایک احساس، ایک تاثر، ایک اصلاحی مقصد، ایک روحانی کیفیت کو اس طرح کہانی میں بیان کرنا کہ وہ دوسری چیزوں سے الگ نمایاں ہو کر پڑھنے والے کے جذبات اوراحساسات پر اثر انداز ہو، افسانہ کہ وہ امتیازی خصوصیت ہے جس نے اسے داستان اور ناول سے الگ کیا ہے۔ مختصر افسانہ میں اختصاراور ایجاز کی دوسری امتیازی خصوصیت نے اس کے فن میں سادگی، حسنِ ترتیب وتوازن کی صفت پیدا کی۔''(۱۵)

رفیع الدین ہاشمی کے افسانوی اسلوب کی مثال دینی ہو تو اس افسانے کا ایک اقتباس موزوں ترین ہو گا۔ ملاحظہ کیجیے:

''سلائیاں، انگلیوں کے درمیان حرکت کر رہی تھیں اور ذہن سوچ بچار میں مصروف تھا۔ سعید۔۔۔ اور۔۔۔ کتنا جاں فزا ہے سعید کا تصور۔۔۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے آسمان سے زمین تک پوری فضا کو ایک نورانی حالہ احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مقدس فرشتوں کے پاکیزہ پروں کے درمیان میں انبساط انگیز موسیقی اس کا استقبال کر رہی ہے۔ مدہم سے مترنم نغمے کہیں دور سے آتے سنائی دے رہے ہیں۔ فرشتوں کے پروں کے پیچھے آسمان کی لامحدود وسعتوں میں قوس قزح ایک رنگین جھولے کی مانند دکھائی دے رہی ہے جس کے گرد ننھے ننھے خوبصورت اور رنگارنگ پھول نظر آرہے ہیں۔۔۔ یہ سعید ہے۔۔۔ اور اسے مہکتی ہوئی بھینی بھینی خوشبو کا احساس ہوا۔ لیکن۔۔۔ اور اس لیکن نے سارے سپنے کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔''(۱۶)

ان کے افسانوں کا اسلوب صاف اوررواں ہے جس میں گنجلک پن نہیں۔ افسانے ''کندن'' سے اسلوب کی ایک مثال دیکھیے:

''اس روز یہ شرمیلی لڑکی خواب ناک سوچوں میں گم رہی۔ ان دیکھے جزیروں میں واقع سرسبز درختوں میں گھومتے ہوئے اس نے ہلکی ہلکی خوشبو کو قلب وروح کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے محسوس کیا۔ فرازِ کوہ سے آنے والے شفاف جھرنوں کا ترنم اس کے کانوں میں غنودگی گھولنے لگا۔ جیسے شبنم کی ہلکی ہلکی پھوار، اسے آہستہ آہستہ آنکھیں موند لینے کو کہہ رہی ہو۔ احساسات کی لہروں پر ہلکاہلکاسا ارتعاش پیدا ہوا جیسے کسی جھیل کی

پر سکون اور شفاف سطح پر گلاب کا پھول آ گرتا ہے۔ گلاب کا یہ پھول بھینی بھینی خوشبو بکھیرتا ہوا جھیل کی سطح پر ہولے ہولے ہلکورے لے رہا تھا۔"(۱۷)

کالج، سکول، نوکری، عمومی رجحان، دیہی و شہری معاشرہ، ایک شہر سے دوسرے شہر حرکت اور پھر ماضی کے قصے یہ رفیع الدین ہاشمی کی افسانوی کائنات کے نمایاں پہلو ہیں لیکن ہر پہلو فریدہ کے جذبوں کی طرح پوتر اور خالص محسوس ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں کا ڈھانچہ ہلکا پھلکا اور نفیس ہے۔ بھاری بھرکم اور بوجھل پن ان کی افسانوی کائنات کا حصہ نہیں ہے بلکہ ان کے افسانے کو فکری و فنی حوالے سے دیکھا جائے تو جزوی پن سموئے ہوئے ہیں۔ افسانے میں معروضیت اور جزوی پن کے ضمن میں عظیم الشان صدیقی لکھتے ہیں:

"افسانہ جزوی علم، ضروری تجربے ومشاہدے، جزوی خیال واحساس یا جزوی واقع پر مبنی ہوتا ہے اور اسی جز کے اندر رہ کر ہی اپنی تکمیل کرتا ہے اور جب افسانہ اپنی حدود سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو ناولٹ یا ناول کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔"(۱۸)

استفہامیے اور پیچیدہ الفاظ و تراکیب کے پھیر سے ان کی کہانیوں میں الجھاؤ پیدا نہیں کیا گیا۔ کہانی کی بنت کاری اور خفیف انداز میں اہم بات کہنے کا گر ان کا خاصا ہے۔ موضوعاتی تنوع، خفیف اور ہلکا پھلکا انداز اور زبان و بیان کی سادگی رفیع الدین ہاشمی کے افسانوں کا نمایاں حسن ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک شریف انسان افسانہ نگار کی ذات کے اندر ٹکل مار کر بیٹھا ہوا محسوس ہوتا ہے جو افسانہ نگار کی قلم کو کسی منفی رویے یا منفی پروپیگنڈے کی طرف مڑنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اس لیے ان کے افسانوں میں شرافت کا ایک طور دکھائی دیتا ہے جو خود افسانہ نگار کی ذات کا عکس ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر عبد العزیز ساحر، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی سوانح اور کتابیات، اٹک: پنجابی ادبی سنگت، ۲۰۰۵ء، ص۵۶۔۵۷

۲۔ ڈاکٹر انور سدید، اُردو افسانے میں دیہات کی پیش کش، لاہور، ابلاغ پبلشرز، اشاعت دوم، ۲۰۰۵، ص۱۸

۳۔ رفیع الدین ہاشمی، پلندے، مشمولہ ہفت روزہ، شہاب، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص۱۰

۴۔ رفیع الدین ہاشمی، یہ ڈبے، مشمولہ، آئین، لاہور، ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء، ص۸

۵۔ رفیع الدین ہاشمی، خیال آتا ہے، مشمولہ، آئین، لاہور، ۲۳ ستمبر، ۱۹۶۸، ص۱۰

۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی، افسانے کی حمایت میں، کراچی، سمیع سنز پرنٹرز، ۲۰۰۴، ص۲۰۴

۷۔ رفیع الدین ہاشمی، ہوا اور تنکے، مشمولہ، قندیل، لاہور، ۶ نومبر ۱۹۶۸ء، ص۷

۸۔ رفیع الدین ہاشمی، فاصلے، مشمولہ، آئین، لاہور، ۸ نومبر ۱۹۶۸ء، ص۱۰

۹۔ رفیع الدین ہاشمی، نانی، مشمولہ ستارہ، لاہور، ۸ نومبر ۱۹۶۸ء، ص۱۰

۱۰۔ رفیع الدین ہاشمی، تصویریں، مشمولہ، تعمیر انسانیت، لاہور، مئی ۱۹۶۱ء، ص۱۸

۱۱۔ رفیع الدین ہاشمی، آن دی سپاٹ، مشمولہ، سیارہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۲ء، ص۹۲

۱۲۔ رفیع الدین ہاشمی، آن دی سپاٹ، مشمولہ، سیارہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۲ء، ص۹۲

۱۳۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، اُردو افسانے کی روایت، لاہور، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۲۰۰۲، ص۳۰

۱۴۔ رفیع الدین ہاشمی، دیوار، مشمولہ محور، مجلہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۶۶ء، ص۱۱۲

۱۵۔ سیّد وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۰ء، ص۱۶

۱۶۔ رفیع الدین ہاشمی، دیوار، مشمولہ محور، مجلہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۶۶ء، ص۱۱۲

۱۷۔ زبیر احمد (قلمی نام رفیع الدین ہاشمی)، کندن، مشمولہ، سیپ، افسانہ نمبر، کراچی، ۱۹۶۸ء، ص۵۲۳

۱۸۔ عظیم الشان صدیقی، اُردو افسانہ فکری و فنی مباحث، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۰ء، ص۱۸